سرسید کی تفسیر کا سرسری جائزہ

مفتی سمیع الرحمٰن
رفیق شعبہ تصنیف جامعہ فاروقیہ کراچی

سرسید احمد خان کا تعارف

سرسید احمد خان 11 اکتوبر 1817ء کو دہلی کے ایک سادات خاندان میں پیدا ہوئے جو شاہجہاں کے عہد میں ہرات سے ہندوستان آکر بسا تھا اور سلاطین مغلیہ کے تحت کئی مناصب پر فائز رہا۔ سرسید کی ابتدائی تعلیم والدہ کے زیرنگرانی قدیم طرز پر ہوئی، دینی تعلیم کے لیے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ کے پوتے شاہ مخصوص اللہؒ اور مولانا مملوک نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے زانوئے تلمذ طے کیے لیکن یہ سلسلہ متوسط کتابوں سے آگے نہ بڑھ سکا۔ ۲۲ سال کی عمر میں تھے کہ والد محترم سید متقی داغ مفارقت دے گئے، سید صاحب کسب معاش کے سلسلے میں اپنے خالو خلیل اللہ خان سے صدر امین دہلی میں عدالت کا کام سیکھ کر ملازم ہوگئے، پھر کچھ عرصہ کمشنر آگرہ کے دفتر میں نائب منشی کی کرسی پر براجمان رہے، اسی دوران مختاری کا امتحان دے کر دسمبر ۱۸۴۱ء میں منصفی کا چارج سنبھال لیا، یوں درجہ بدرجہ ترقی کے منازل طے کرتے ہوئے عدالت میں جج کے عہدے پر فائز ہوگئے، حکومت برطانیہ کو اپنا محسن خیال کرتے، ان کی ہر ادا پر دل وجاں سے فدا تھے۔ ۱۸۵۷ء میں جب ''جہاد حریت'' کا معرکہ گرم ہوا تو سرسید نے اپنے انگریز محسنوں کی جان و مال اور اقتدار کے تحفظ کے لیے ہر اول دستے کا کردار ادا کیا اور مقدس جہاد کو بغاوت کا نام دے کر مجاہدین اسلام کے خلاف دل کھول کر لکھا۔ ''حسن خدمت'' کے اس صلے میں حکومت برطانیہ نے KB.SIR (شاہی مشیر) KC (ہندوستان میں امن کا جج) کے خطابات دینے کے علاوہ دو پشتوں تک دوسو ماہانہ شاہی وظیفہ جاری کر دیا۔ سرکاری ملازمت سے فارغ ہونے کے بعد زندگی کی توانائیاں علی گڑھ یونیورسٹی کی ترقی کے لیے وقف کر دیں۔ عمر کے آخری حصے میں ان کے روشن خیال، صاحبزادہ سید محمود جو شراب کے رسیا تھے انہیں گھر سے باہر نکال دیا، بالآخر ایک دوست نے اپنے ہاں پناہ دی اور اسی کے گھر سے ۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء کو ان کا جنازہ نکلا۔

''تفسیر القرآن'' لکھنے کا پس منظر :

سرسید صاحب نے جس مسلمان معاشرے میں آنکھیں کھولیں وہاں سیاسی اور اخلاقی انحطاط کے پہلو بہ پہلو عقل پرستی کی موجیں آب و تاب کے ساتھ رواں تھیں، مغرب کا فلسفہ عقل دینی عقائد اور الٰہیات میں دخیل ہو کر

مسلمانوں کے نظریات پر براہ راست حملہ آور تھا۔ اس نازک صورتحال سے نکلنے کے دو راستے تھے۔

۱۔ ایک یہ کہ اس عقلی فکر کو چیلنج کیا جائے۔ کیونکہ اس کی بنیادیں انتہائی کمزور اور اس کا دائرہ کار حواس خمسہ اور تجربات تک محدود ہے، اسے وحی میں دخل اندازی کرنے کا حق کس نے دیا ہے؟

۲۔ دوسرا یہ کہ ان عقل پرستانہ افکار و نظریات کو جوں کا توں اپنا کر دینی عقائد کے پورے ڈھانچے توڑ موڑ کر اسی پیمانے میں ڈھال لیا جائے۔

سرسید نے معتزلہ کی روش اختیار کرتے ہوئے اسی دوسرے راستے کا انتخاب کیا۔ چنانچہ ان کا دعویٰ تھا کہ ''جس مجموعہ مسائل و احکام و اعتقادات وغیرہ پر فی زمانہ اسلام کا لفظ اطلاق کیا جاتا ہے وہ یقیناً مغربی علوم (عقلیہ) کے مقابلے میں قائم نہیں رہ سکتا''۔ [۱]

مغربی علوم عقلیہ کے مقابلے میں اسلامی عقائد و مسائل کو زندہ و جاوید رکھنے کی کیا صورت ہے؟ اس کا حل تجویز کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''یا تو ہم علوم جدیدہ کو باطل ثابت کریں یا پھر انہیں اسلام کے مطابق کر کے دکھائیں''[۲] (بصورت دیگر سب گناہ گار ہوں گے۔) دین اسلام کی بقا اور امت مسلمہ کی طرف سے یہ بھاری فرض چکانے کے لیے اٹھے اور اس کی ابتدا قرآن کریم کی تفسیر سے کی۔ یہ تھا تفسیر کا اصل محرک اور پس منظر۔

لیکن صد افسوس! اس تفسیر میں علوم جدیدہ کو تو مشرف بہ اسلام نہ کر سکے البتہ دینی عقائد و مباحث کو تحریف و تاویل کے تمام زاویوں سے گزار کر علوم عقلیہ کے مطابق کرنے کے تمام جوہر دکھائے۔ اس لیے یہ کہنا بجا ہوگا کہ سرسید صاحب کی مسلمان قوم سے ہمدردی اور غم خواری کی مثال بالکل اس بوڑھی کی طرح تھی جس نے ایک باز کے پنجے اور بال و پر اس جذبہ ہمدردی میں تراش دیے تھے کہ یہ اسے اذیت پہنچاتے ہوں گے۔

''تفسیر القرآن'' کا علمی جائزہ

سرسید صاحب کی تفسیر ''تفسیر القرآن'' کا نیا ایڈیشن ۱۹۹۸ء کا مطبوعہ ہمارے سامنے ہے۔ سولہ پاروں، سات حصوں، اور ایک ہزار تین سو اٹھاسی، صفحات پر مشتمل، ایک ضخیم جلد کی صورت میں لاہور کے ایک معروف طباعتی ادارے ''دوست ایسوسی ایٹس'' نے شائع کیا ہے۔

ترجمے کے متعلق مولانا عبدالحق حقانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے یہ ہے کہ یہ شاہ عبدالقادر کا ترجمہ ہے جو ذرا بدل کر لکھ دیا گیا ہے[۳] سولہ پاروں کی اس تفسیر میں دینی عقائد کے بیش تر مباحث آ گئے ہیں، حدیث رسول ﷺ آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور مفسرین کے اقوال کو نظر انداز کر کے توراۃ و انجیل کو ان پر ترجیح دی گئی۔ کیونکہ ان کتابوں کو وہ تحریف شدہ تسلیم نہیں کرتے، چنانچہ سورہ فاتحہ کی تفسیر میں ایک مقام پر لکھتے ہیں:

''اگرچہ میں اس بات کا قائل نہیں ہوں کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنی کتب مقدسہ میں تحریف لفظی کی ہے اور نہ علمائے متقدمین و محققین اس بات کے قائل تھے مگر علمائے متاخرین اس بات کے قائل ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنی کتب مقدسہ میں تحریف و تبدیل کی ہے''۔ [۴]

شاید اسی طرز عمل کو دیکھ کر سرسید کے ایک پرانے رفیق نواب محسن الملک سید مہدی علی خان نے انہیں ''چھپا پادری'' قرار دیا۔ ۵

دعوی پہ دعوی باندھتے چلے جاتے ہیں لیکن دلائل کی وادی میں اترنا پسند نہیں کرتے اگر کبھی اس وادی میں اتر جائیں تو لے دے کے تان اسی پہ آکر ٹوٹی ہے کہ یہ خلاف عقل یا خلاف فطرت ہے۔ اپنے مطلب برآوری کے لیے صوفیاء کے شطحیات، مبہم عبارات اور ضعیف اقوال سے پوری طرح فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اسلوب یہاں رواں لیکن علم و سنجیدگی غائب ہے.... علماء کرام کو آڑے ہاتھوں لے کر جا بجا ان پر طنز و طعن کے تیز و تند جملے برسائے ہیں۔ جنت کا تذکرہ کس تمسخرانہ انداز میں کیا ہے وہ بھی پڑھ لیجئے۔

''یہ سمجھنا کہ جنت مثل ایک باغ کے پیدا ہوئی ہے، اس میں سنگ مرمر کے اور موتی کے جڑاؤ محل ہیں، باغ میں شاداب و سرسبز درخت ہیں، دودھ و شراب و شہد کی ندیاں بہہ رہی ہیں۔ ہر قسم کا میوہ کھانے کو موجود ہے، ساقی و ساقیتیں نہایت خوبصورت، چاندی کے کنگن پہنے ہوئے، جو ہمارے ہاں کی گھوسنیں پہنتی ہیں، شراب پلا رہی ہیں، ایک جنتی ایک حور کے گلے میں ہاتھ ڈالے پڑا ہے، ایک نے ران پر سر دھرا ہے، ایک چھاتی سے لپٹ رہا ہے، ایک نے لب جان بخش کا بوسہ لیا ہے، کوئی کسی کونہ میں کچھ کر رہا ہے، کوئی کسی کونہ میں کچھ۔ ایسا بے ہودہ پن ہے جس پر تعجب ہوتا ہے، اگر بہشت یہی ہے تو بے مبالغہ ہمارے خرابات اس سے ہزار درجہ بہتر ہیں۔'' ۶

کسی بھی تفسیر کا منہج سمجھنے میں اس کے اصول تفسیر ہی بنیادی اہمیت رکھتے ہیں، کیونکہ ہر مفسر انہیں بنیادوں پر اپنے افکار و نظریات کا شیش محل کھڑا کرتا ہے، سرسید صاحب نے بھی اہلسنت کے طریق تفسیر سے ہٹ کر پندرہ اصولوں پر مشتمل ایک رسالہ ''تحریر فی اصول التفسیر'' کے نام سے لکھا ہے، اسی کے چند اہم اور بنیادی اصولوں کا مختصر ناقدانہ جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

سرسید صاحب کے چند تفسیری اصول کا جائزہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ سرسید نے تحریف و تاویل کا پری خانہ سجانے کے لیے رنگ و روغن کا اکثر و بیش تر سامان معتزلہ کے فکری ملبے سے مستعار لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی کج فہمی کی ہر ادا میں رنگ اعتزالی جھلکتا ہے۔ سرسید صاحب کا اہم اور بنیادی اصول یہ ہے۔

۱۔ عقل کو نقل پر بہر صورت برتری حاصل ہوگی، تعارض کی صورت پیش آجائے تو ترجیح بھی عقل کو ہوگی۔

سرسید نے معتزلہ کے اس اصول کو انتہائی بے دردی سے استعمال کر کے دینی عقائد کے پورے ڈھانچے کو تبدیل کر کے رکھ دیا، مثلاً ملائکہ، جنات، شیاطین، جنت و جہنم، حشر و نشر، رؤیت باری تعالیٰ وغیرہ کا صرف اس لیے انکار کر دیا کہ یہ چیزیں میزان عقل میں پوری نہیں اترتیں۔ کیونکہ عقل یہ تسلیم نہیں کرتی کہ ملائکہ، جنات، شیاطین انسانوں سے میل جول رکھنے والی مخلوق ہو لیکن نظر نہ آئے۔ چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں :

''قرآن مجید سے فرشتوں کا ایسا وجود جیسا کہ مسلمانوں نے اعتقاد کر رکھا ہے ثابت نہیں ہوتا''۔ (۸)

قران کریم میں ملائکہ سے مراد، انسان کے قوائے ملکوتی اور شیطان سے مراد قوائے بہیمی ہیں (۹) جنات سے پہاڑی وجنگلی آدمی مراد ہیں (۱۰) جنت وجہنم کا تذکرہ درحقیقت معروف (نیکی) کے بجالانے اور نواہی سے بچانے کا ایک ترغیبی حربہ ہے (۱۱) رویت باری تعالیٰ کے متعلق لکھتے ہیں۔

''خدا کا دیکھنا دنیا میں نہ ان آنکھوں سے ہوسکتا ہے اور نہ ان آنکھوں سے جو دل کی آنکھیں کہلاتی ہیں اور نہ قیامت میں کوئی شخص خدا کو دیکھ سکتا ہے (۱۲)، نبوت امر فطری ہے (۱۳)، حشر اجساد مثالی ہوگا (۱۴)، چور کے ہاتھ کاٹنے کی سزا وحشیانہ ہے اس کی اجازت صرف اس وقت تک ہے جب ملک میں قید خانے نہ ہوں (۱۵)، قتال صرف اپنے دفاع میں کیا جاسکتا ہے (۱۶)، امراء سے سود لینے میں کوئی حرج نہیں (۱۷)

الحاد اور بے دینی کی یہ عمارت اسی اصول پر قائم ہے کہ عقل کو نقل پر بہر صورت ترجیح ہوگی۔

۲۔ سرسید کا دوسرا بڑا اہم اصول یہ ہے کہ اس کاروبار دنیا کا ہر فعل تعلیل وتسبیب کے ہمہ گیر قانون پر استوار ہے، ذرہ سے لے کر پہاڑ تک، قطرہ سے لے کر سمندر تک کوئی چیز اس سے مستثنیٰ نہیں۔ کائنات کے ہر حصے پر اسی قاعدے اور قانون کی حکمرانی ہے، یہ ایسا اٹل قانون ہے کہ اس کا انحراف خدا بھی نہیں کرسکتا۔ (۱۹) سید صاحب اسے قانون فطرت (نیچر) کا نام دیتے ہیں اس لیے انہیں نیچری کہا جاتا ہے۔ سرسید نے اس اصول سے ..... سب سے پہلا وار معجزات وکرامات پر کیا کیونکہ اہلسنت والجماعت کے نزدیک ..... یہ تمام امور علت معلول کی قید سے آزاد ہوکر خرق عادات کے طور پر اس دنیائے آب وگل میں وجود پذیر ہوتے ہیں۔ لیکن سرسید صاحب خودساختہ قانون فطرت کے پیش نظر ان خرق عادات امور کو تسلیم نہیں کرتے، ان کا دعویٰ ہے کہ قران کریم میں کسی معجزے کا ذکر نہیں (۲۰) اس دعویٰ کو سچا ثابت کرنے کے لیے جو طرز وطریقہ اختیار کیا ہے اس کے ڈانڈے تحریف سے جاملتے ہیں۔ مثلاً حضور اکرم ﷺ کو معراج جسمانی نہیں روحانی اور منامی ہوا تھا (۲۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش قانون فطرت کے مطابق والد کی موجودگی میں ہوئی تھی (۲۲) انہیں آسمان پر اٹھائے جانے کا تعلق جسم سے نہیں روح اور درجات سے ہے (۲۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا ہی نہیں گیا (اگر ڈالا جاتا تو ضرور جل جاتے، کیونکہ جلانا آگ کا فطری تقاضا ہے) بدر وحنین کی معرکہ آرائیوں میں ملائکہ کے براہ راست شریک ہونے کی کوئی حقیقت نہیں (۲۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اپنی قوم کو لے کر دریا پر پہنچے تو اس وقت اتفاقاً دریا کا پانی اترا ہوا تھا اس لیے بسلامت گزر گئے، جب فرعون بمع لشکر کے دریا میں اترا تو اس وقت اس کا پانی چڑھا ہوا تھا اس لیے غرقاب ہوگیا۔ (۲۵)

تحریف کے یہ نمونے سرسید کے خودساختہ ''اصول فطرت'' نے جنم دیے ہیں۔ ان خرق عادات امور کو فطرت میں ڈھالنے کے لیے سرسید کی عقلِ نارسا نے تحقیق کے جن زاویوں سے کام لیا ہے اس کو دیکھ کر

حیرت ہوتی ہے۔ مثلاً قرآن کریم میں بصراحت مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم الٰہی سے ایک مخصوص پتھر پر لاٹھی ماری تو اس سے پانی کے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ ﴿ فَقُلْنَا اضرب بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ منه اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْناً﴾ (۲۶) ''تو ہم نے کہا مارا پنے عصا کو پتھر پر سو بہہ نکلے اس سے بارہ چشمے .....'' (۲۷)

اس معجزے کو ''قانون فطرت'' میں ڈھالنے کے لیے سرسید صاحب نے جو خامہ فرسائی کی ہے اسے بھی ملاحظہ فرمائیں۔

> حجر کے معنی پہاڑ کے ہیں اور ضرب کے معنی رفتن (چلنا) کے، پس صاف معنی ﴿فاضرب بعصاك الحجر﴾ کے ہوئے کہ اپنی لاٹھی کے سہارے پہاڑ پر چل، اس پہاڑ کے پرے ایک مقام ہے جہاں بارہ چشمے پانی کے جاری تھے خدا نے فرمایا: ﴿فانفجرت منه اثنتا عشرة عينا﴾ یعنی ''اس میں سے پھوٹ نکلے ہیں بارہ چشمے''۔ (۲۸)

عربی زبان سے شد بد رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ حجر بول کر پہاڑ مراد نہیں لیا جاتا، اور ضرب بمعنی رفتن (چلنا) اس وقت ہوتا ہے جب اس کے صلے میں لفظ ''فی'' ہو، لیکن سرسید صاحب کو قاعدے اور قانون سے کیا واسطہ انہیں تو فقط اپنا مطلب نکالنا ہے، اگر چہ وہ ''شوربے کی تحقیق'' کی صورت میں نکل رہا ہو۔ ''شوربے سے روٹی کھانے'' کے مفہوم سے ہر عام وخاص واقف ہے۔ لیکن اگر کوئی سر پھرا اس کی لغوی تحقیق میں جُت کر یہ دعویٰ کر ڈالے کہ اس کا مطلب کھارے پانی سے روٹی کھانے کے ہیں، کیونکہ 'شوربہ'' ''شور'' اور ''آب'' سے مرکب ہے، ''شور'' کھارے اور ''آب'' پانی کو کہتے ہیں..... بتایئے اس مسخرے پن کو تحقیق کا نام دیا جاسکتا ہے؟

۳۔ سرسید صاحب کا تیسرا اصول یہ ہے کہ تفسیر کے لیے حدیث رسول، آثار صحابہ کرام اور مفسرین کے اقوال کی چنداں حاجت نہیں (۲۹)، چنانچہ سرسید کی معتبر سوانح ''حیات جاوید'' جسے علامہ شبلی نعمانی نے ''مدلل وحی'' قرار دیا (۳۰)، ... میں الطاف حسین حالی لکھتے ہیں۔

> ''پس انہوں نے جیسا کہ حضرت عمر سے منقول ہے ''حسبنا کتاب اللہ'' کہہ کر اپنے جدید علم کلام کا موضوع اور اسلام کا حقیقی مصداق صرف قرآن مجید کو قرار دیا اور اس کے سوا تمام مجموعہ حدیث کو اس دلیل سے کہ ان میں کوئی حدیث مثل قرآن کے قطعی الثبوت نہیں ہے اور تمام مفسرین کے اقوال وآراء اور تمام فقہاء ومجتہدین کے قیاسات واجتہادات کو اس بناء پر کہ ان کے جواب وہ خود علماء مفسرین اور فقہاء ومجتہدین ہیں نہ کہ اسلام، اپنی بحث سے خارج کر دیا، اسی اصول کو ملحوظ رکھ کر سرسید نے قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ (۳۱)

سرسید نے اس تفسیری جدّت طرازی میں تمام معتزلہ کو بھی پیچھے چھوڑ دیا، یہی وجہ ہے کہ وہ کسی آیت کی تفسیر آثار صحابہ سے کجا حدیث رسول سے بھی نہیں کرتے۔

۴۔ سرسید نے صفات باری تعالیٰ کو عین ذات باری قرار دے کر مکمل معتزلہ کی ہمنوائی کی ہے اور اسے اصول تفسیر میں ایک ''اصل'' کے طور پر ذکر کیا ہے۔ (۳۲)

اہلسنت والجماعت کے نزدیک صفات باری تعالیٰ واجب الوجود کے مفہوم سے زائد ہیں، عین ذات باری تعالیٰ نہیں ہیں۔

یہ ہیں سرسید کی تفسیر کے چند اہم اور بنیادی اصول جس پر الحاد و بے دینی کی پوری عمارت کھڑی ہے۔ ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری نے بجا فرمایا کہ

''اس صدی کی بے دینی، بے راہ روی اور بدعقیدگی کے تمام ڈانڈے سرسید سے ملتے ہیں''۔

(۳۳)

یہ ایک واقعہ ہے پرویزی، خاکساری، فکری، غامدی، سمیت ہر قافلہ راہ گم کردہ کی علمی بنیادیں سرسید کے تفسیری اوراق اور تہذیب الاخلاق کے مقالات میں بآسانی تلاش کی جاسکتی ہیں۔ تجدد پسندی کے یہ تمام طبقے ایک ہی تسبیح کے دانے ہیں جو ہر زمانے کی ''عقلی'' سطح کے ساتھ گھومتے چلے جاتے ہیں۔

سرسید کی تفسیر پر چند اہل علم کے تبصرے

سرسید کے دوست نواب سید مہدی علی خان ایک خط میں سید صاحب کو مخاطب ہیں۔

''آپ نے مسلمان مفسروں کو تو خوب گالیاں دیں اور برا بھلا کہا اور یہودیوں کا مقلد بتایا۔ مگر آپ نے خود اس زمانے کے لامذہبوں کی باتوں پر ایسا یقین کرلیا کہ ان کو مسائل محققہ صحیحہ یقینیہ قرار دے کر تمام آیتوں کو قرآن کے مأول کر دیا اور لطف یہ کہ آپ اسے تاویل بھی نہیں کہتے۔ (تاویل کو تو آپ کفر سمجھتے ہیں) بلکہ صحیح تفسیر اور اصلی تفسیر قرآن کی سمجھتے ہیں حالانکہ نہ سیاق کلام نہ الفاظ قرآنی نہ محاورات عرب کی اس سے تائید ہوتی ہے''۔ (۳۴)

مولانا عبدالحق حقانی اپنی تفسیر حقانی کے مقدمے میں رقم طراز ہیں۔ ''دراصل یہ کتاب تحریف القران ہے نہ کہ تفسیر۔'' (۳۵) چنانچہ حقانی صاحب رحمہ اللہ جابجا اسے ''تحریف القران'' کے نام سے ہی یاد کرتے ہیں۔

سرسید کے دوستوں کا ردّعمل الطاف حسین حالی کی زبانی

''آخر عمر میں سرسید کی کودرائی یا جو وثوق کہ ان کو اپنی رائیوں پر تھا وہ حدّ اعتدال سے متجاوز ہوگیا تھا۔ بعض آیات قرانی کے وہ ایسا معنی بیان کرتے تھے جن کو سن کر تعجب ہوتا تھا کہ کیونکر ایسا عالی دماغ ان کمزور اور بودی تأویلوں کو صحیح سمجھتا ہے۔ ہر چند کہ ان کے دوست ان تأویلوں پر ہنستے تھے مگر وہ کسی طرح اپنی رائے سے رجوع نہ کرتے تھے۔'' (۳۶)

ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کی سرسید کی تفسیر پر رائے زنی

''مجھ کو ان کے معتقدات بأسرہا تسلیم نہیں۔ سید احمد خان کی تفسیر ایک دوست کے پاس

دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ میرے نزدیک وہ تفسیر ''دیوانِ حافظ'' کی ان شروح سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی جن کے مصنفین نے چوتڑوں سے کان گانٹھ کر سارے دیوان کو کتاب تصوف بنانا چاہا۔ جو معانی سرسید احمد خان صاحب نے منطوق آیاتِ قرانی سے اپنے پندار میں استنباط کئے اور میرے نزدیک زبردستی مڑھے اور چپکائے، قران کے منزل من اللہ ہونے سے انکار کرنا سہل ہے اور ان معانی کو ماننا مشکل ..... یہ وہ معانی ہیں جن کی طرف نہ خدا کا ذہن منتقل ہوا۔ نہ جبرائیل حامل وحی کا، نہ رسولِ خدا کا، نہ قران کے کاتب و مدوّن کا، نہ اصحاب کا، نہ تابعین کا، نہ تبع تابعین کا، نہ جمہور مسلمین کا۔''

تفسیر القرآن کی تردید پر مشتمل اہم کتابیں وتفاسیر

۱۔ سرسید کی تردید میں سب سے پہلا قدم سیدنا صر الدین محمد ابوالمنصور نے اٹھایا اور ''تنقیح البیان'' میں سرسید کی تحریفات سے پردہ اٹھا کر ۱۲۹۷ھ میں اسے نصرۃ المطابع دہلی سے شائع کرایا۔

۲۔ اس طرح محمد علی (تحصیل بچھرانوی ضلع مراد آباد) نے بھی اس تفسیر کا رد ''البرہان علی تجہیل من قال بغیر علم فی القران'' کے نام سے، مراد آباد، مطبع گلزار احمدی سے ۱۸۸۵ء میں شائع کرایا۔

۳۔ ایک شیعہ مفسر ابوعمار علی نے بھی سرسید کی تردید میں ''عمدۃ البیان'' کے نام سے ایک تفسیر لکھی۔

۴۔ علامہ عبدالحق حقانی رحمہ اللہ نے ''تفسیر حقانی'' کا شاندار مقدمہ لکھا جو دوسو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔ جسمیں سرسید کے افکار ونظریات پر کھل کر بحث کی گئی ہے۔ اسی طرح غیر مقلد عالم مولانا سید احمد حسن صاحب رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر ''احسن التفاسیر'' کے مقدمے میں سرسید کی تردید پر مختصر مگر جامع و مانع بحث کی ہے۔

۵۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر ثنائی میں سرسید کی تحریفات کا عقلی اور نقلی طریقے سے اچھا جواب دیا ہے۔

۶۔ علامہ سید تصدق بخاری مدظلہ نے ''محرّف قران'' نامی کتاب میں سرسید کے عقائد، پر ناقدانہ تجزیہ پیش کیا ہے۔

۷۔ سرسید کے ''فلسفہ تفوق عقل'' کی تردید میں حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے ایک مکتوب سرسید کو لکھا تھا جو سات صفحات پر مشتمل ''تصفیۃ العقائد'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔

۸۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اسی سلسلے میں ایک کتاب ''الانتباهات المفيدة عن الاشتباهات الجديدة'' کے نام سے تالیف فرمائی جو حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے مجاز بیعت مولانا مصطفیٰ خان بجنوری رحمہ اللہ کی تشریح اور تسہیل کے ساتھ اسلام اور عقلیات کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ عقل ونقل کا دائرہ کار اور ان دونوں میں تعارض وترجیح کی صورتوں پر جن جواہر ریزوں کو صفحاتِ قرطاس پر بکھیرا ہے اسے پڑھ کر ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے جنہوں نے ''بيان موافقة صريح المعقول الصحيح المنقول'' میں عقل پرستوں پر نقد واحتساب کا

دبستاں سجا کر واضح کر دیا تھا۔

فلسفہ چوں اکثرش باشد ''سفہ'' پس کل آں
ہم ''سفہ'' باشد کہ حکم کل ، حکم اکثر است

حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کی یہ کتاب سرسید کے ''فلسفہ تفوق عقل'' کے جواب میں بلاشبہ حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہے۔

☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ حیات جاوید ۱/۲۲۵، بحوالہ سرسید کی کہانی ان کی اپنی زبانی ص:۱۰۷۔
۲۔ پاکستان کا معمار اول سرسید، ص:۵۵، ادارہ طلوع اسلام لاہور۔
۳۔ تفسیر حقانی، ۱/۲۲۶، بیت العلم لاہور۔
۴۔ تفسیر القران، سرسید، سورۃ فاتحہ، ص:۵
۵۔ نقش سرسید، ضیاء الدین لاہوری، ص:۲۷
۶۔ تفسیر القران، حصہ اوّل، ص:۴۴۔
۷۔ تحریر فی اصول التفسیر، الأصل الخامس عشر، ص:۳۱، تفسیر القران، حصہ ششم، ص:۱۱۸۔
۸۔ تفسیر القران، سورۃ بقرہ، حصہ اول، ص:۵۵۔
۹۔ تفسیر القرآن، ص: ۵۶۔
۱۰۔ تفسیر القرآن سورۃ الانعام، حصہ سوم، ص:۶۵، ۶۶، ۶۷۔
۱۱۔ " " " " البقرۃ، حصہ اول، ص:۴۵، ۴۶۔
۱۲۔ " " " " الاعراف، حصہ سوم: ص:۲۰۴۔
۱۳۔ " " " " الانعام، حصہ سوم، ص:۴۹۔
۱۴۔ " " " " الاعراف حصہ سوم، ص:۱۰۹۔
۱۵۔ " " " " المائدۃ، حصہ دوم، ص ۱۳۱، ۱۳۵۔
۱۶۔ " " " " البقرہ، حصہ اول ص:۲۴۸
۱۷۔ " " " " " " " " " " :۳۱۶۔
۱۸۔ تحریر فی اصول التفسیر، الأصل الثامن، ص:۲۱، ۲۵۔
۱۹۔ تحریر فی اصول التفسیر، الأصل الثامن، ص: ۲۱
۲۰۔ " " " " " " " " التاسع ص:۲۵۔
۲۱۔ تفسیر القران، سورۃ بنی اسرائیل، حصہ ششم، ص:۸۶۔
۲۲۔ " " " " " " ال عمران، حصہ دوم، ص:۱۴
۲۳۔ " " " " " " " " " " " " :۳۵۔
۲۴۔ " " " " " " ال عمران، حصہ دوم: ص:۵۰
۲۵۔ " " " " " " سورۃ البقرۃ، حصہ اول، ص۹۲۔
۲۶۔ البقرۃ:۶۰۔
۲۷۔ ترجمہ شیخ الہند۔
۲۸۔ " " " " " " سورۃ البقرۃ حصہ اول، ص:۱۱۷۔
۲۹۔ تحریر فی اصول التفسیر، الأصل التاسع ص:۲۷۔
۳۰۔ نقش سرسید، ضیاء الدین لاہوری ص:۲۷۔
۳۱۔ حیات جاوید: بحوالہ پاکستان کا معمار اول سرسید، ص:۵۷ طلوع اسلام۔
۳۲۔ تحریر فی اصول التفسیر، الاصل السابع ص:۳۱۔
۳۳۔ مقدمہ سرسید کی کہانی ان کی اپنی زبانی ص:۲۲۔
۳۴۔ تفسیر القرآن، مکتوب نواب سید مہدی علی خان۔ص:۳
۳۵۔ مقدمہ تفسیر حقانی، ص:۲۲۶۔
۳۶۔ حیات جاوید، بحوالہ نقش سرسید، ضیاء الدین لاہوری، ص:۲۸۔
۳۷۔ موعظہ حسنہ، ص:۱۷۵، بحوالہ نقش سرسید، ص:۲۹۔